حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بانیٔ دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتویؒ
تاریخ کی ایک زندہ جاوید شخصیت

> حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی مندرجہ ذیل تقریر یہ آل انڈیا ریڈیو دہلی سے نشر ہوئی تھی جو بانی دارالعلوم حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی شخصیت اور خدمات کا مختصر سا تعارف ہے۔ (ادارہ)

میری اس تقریر کا موضوع ہندوستان کی اسلامی تاریخ کی ایک زندہ جاوید شخصیت حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانیٔ دارالعلوم دیوبند ہے۔ حضرت ممدوح ح کی ولادت ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۲ء) اور وفات ۱۲۹۷ھ (۱۸۷۹ء) میں ہوئی۔ اس ۴۹ سال کی قلیل مدت میں آپ نے اسلامی اور قومی خدمات کے سلسلہ میں جو کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں وہ صدیوں کی وسعت کے تھے جنھیں ہندوستان ہی نہیں پوری اسلامی دنیا کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

۱۸۵۷ء میں آپ نے اپنے مرشد حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں ہندوستان سے غیر ملکیوں کا قبضہ اٹھانے کے لئے جنگ لڑی لیکن جنگ میں شکست ہوگئی اور ملک پر انگریزوں کا اقتدار قائم ہوگیا۔ اس سے تمام ہندوستانیوں اور بالخصوص مسلمانوں کے دل ٹوٹ گئے اور ان میں احساس کمتری کے ساتھ ایک مایوسی پھیل گئی۔ ادھر مشنریوں نے عیسائی اقتدار کے زیر سایہ صاف صاف یہ اعلان کرنا شروع کردیا کہ انگریزوں کے لئے یہ ملک (ہندوستان) عیسیٰ مسیحؑ کا عطیہ اور امانت ہے۔ اس لئے اس میں مسیحی مذہب ہی کی اشاعت اور ترویج ہمارا نصب العین ہے اور ساتھ ہی کھلے بندوں ہندوستان کے تمام مذاہب اور خصوصیت سے اسلام پر اعتراضات اور اتہامات کی بوچھاڑ بھی شروع کردی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہاں کے باشندے مایوسی میں مبتلا ہوکر بالخصوص مسلمان اس ابھرتی ہوئی مغربی تہذیب و تعلیم سے الحاد و دہریت کی رَو میں بہنے لگے۔ اور صاف نظر

آنے لگا۔ کہ اگر یہی سیل ونہار رہے تو وہ دن دور نہیں کہ آئندہ نسلیں خواہ وہ کسی بھی قوم سے ہوں خود اپنے اخلاقی نظام اور تہذیب و کلچر سے بیگانہ محض ہو کر رہ جائیں گی۔

حضرت مولانا محمد قاسمؒ نے اپنے نورِ معرفت سے وقت کی رفتار اور اس کے خطرناک نتائج کا اندازہ لگایا اور باشارات غیب ہندوستان کے تمام باشندوں کو بجائے آپس میں الجھنے کے ایک عالمی نقطۂ نظر پر ڈال دینے اور قوم میں ایک ذہنی انقلاب لانے کی ضرورت محسوس فرمائی۔ تاکہ یہ احساس کمتری دور ہو۔ اس کے لئے آپ نے تعلیم و تربیت کا راستہ اختیار فرمایا۔ جو بے ضرر اور رسمی سیاست سے دور تھا۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے اپنی ایمانی فراست سے چھنے ہوئے اقتدار کا نعم البدل تعلیمی راہ سے حریت فکر کے بقار و ارتقار کو قرار دیا۔ اور اپنا یہ عظیم مقصد ۱۲۸۳ھ (۱۸۶۶ء) میں دارالعلوم دیوبند قائم فرماکر بآسانی حاصل کر لیا۔ اس الہامی نقطۂ نظر کے تحت دارالعلوم دیوبند محض ایک مدرسہ نہیں بلکہ حریت فکر اور استقلال وطن کے جذبات کو زندہ رکھنے کا ایک ہمہ گیر مکتبِ فکر اور عظیم تحریک ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے قیام کے بعد مولانا محمد قاسمؒ نے مقصد کی اہمیت کے تحت ملک گیر پیمانہ پر مدارس قائم فرمانے شروع کئے۔ اور بنفس نفیس خود جا کر مراد آباد۔ گلاؤٹھی۔ امروہہ اور مظفر نگر وغیرہ میں مدارس قائم فرمائے۔ اور جا بجا اپنے متوسلین کو زبانی اور خطوط کے ذریعہ قیام مدارس کی ہدایت فرمائی۔

چنانچہ بہت سے مدارس ہندوستان میں حضرت کی زندگی ہی میں قائم ہو گئے۔ اور پھر حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے حریت فکر کے امین فضلار نے پورے ملک میں حتیٰ کہ انہیں فضلار نے ایشیا، افریقہ اور یورپ کے ممالک میں بھی اسی قاسمی طرزِ فکر پر تعلیم گاہیں قائم کیں اور میرا اپنا مشاہدہ ہے کہ آج انگلستان میں یہ قاسمی فکر فروغ پا رہا ہے۔ عالمی پیمانہ پر ہندوستان میں صفت تعلیم کا سب سے پہلا عوامی مرکز مدرسہ دارالعلوم دیوبند ہے جس کے لئے حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کو صاحب دل علمار اور صداقت شعار رفقار کار حضرت مولانا رشید احمد صاحب۔ حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب۔ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اور حضرت حاجی محمد عابد صاحب رحمہم اللہ وغیرہ کا مخلصانہ تعاون حاصل رہا۔ یہی دارالعلوم دیوبند آج ایشیا کی سب سے بڑی اسلامی مرکزی اور اقامتی یونیورسٹی بن کر ایک خاص مکتبِ فکر کی حیثیت سے بین الاقوامی شہرت و عظمت کا حامل ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے دارالعلوم دیوبند کو ایسے اصولوں پر قائم فرمایا جن کے تحت روز اول سے یہ درسگاہ ایک عوامی ادارہ کی پوزیشن میں نمودار ہوئی۔ چنانچہ حضرت والا نے اس سلسلہ میں آٹھ اصول اپنے دستِ مبارک سے لکھے جو دارالعلوم کے تاریخی ریکارڈ میں آج بھی موجود ہیں۔ اور آج تک ہر دور میں بانیٔ دارالعلوم کے ان الہامی اور اساسی رہنما اصولوں کی پوری پوری حفاظت و رعایت کی جاتی رہی ہے

صول در حقیقت دارالعلوم دیوبند کی معنوی بنیاد ہیں۔ جن پر اس کی ظاہری اور باطنی تعمیر کھڑی ہوئی ہے اور نہ ہرف دارالعلوم کی بلکہ ان تمام مدارس چندہ کی بھی اساس ہیں۔ جو دارالعلوم دیوبند کے رنگ پر حضرت مولانا محمد قاسم ساحبؒ اور ان کے متوسلین نے قائم فرمائے۔ چنانچہ ان اصول ہشتگانہ پر حضرت اقدس نے سرخی بھی یہی فرمائی کہ

"وہ اصول جن پہ مدارس چندہ بنی معلوم ہوتے ہیں"

یہی ہمہ گیر اصول قیام مدارس کی اس اجتماعی تحریک کی بنیاد ہے جس سے ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان کے سلمانوں کو نئی زندگی اور نشاۃ ثانیہ ملی۔ ان اصول کے مطابق حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے دارالعلوم دیوبند و صرف عوامی چندوں پر قائم فرمایا تاکہ اس میں ابتدا ہی سے ہمہ گیری کا عنصر نمایاں رہے۔ اور یہ دارالعلوم ہندوستان کے غریب عوام کا ادارہ ثابت ہو۔ ساتھ ہی اصول میں یہ ہدایت بھی ہے کہ اس مدرسہ کے لئے جائداد و ر کارخانہ ہائے تجارت سے کسی مستقل آمدنی کا کوئی بندوبست نہ کیا جائے۔ ایسا کرنے پر امداد غیبی منقطع ہو ائے گی۔ رجوع الی اللہ کا سرمایہ ہاتھ سے جاتا رہے گا اور کارکنوں میں پھوٹ پڑ جائے گی جس کو ان کے مخلص رفیق رحضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب عثمانیؒ نے اپنی ایک طویل نظم کے بعض اشعار میں بایں الفاظ ظاہر فرمایا ہے ؎

اس کے بانی کی ہے وصیت کہ جب اس کیلئے
کوئی سرمایہ بھروسہ کا ذرا ہو جائے گا
پھر یہ قندیل معلق اور توکل کا چراغ
یوں سمجھ لینا کہ بے نور و ضیا ہو جائے گا

ان اصول میں خصوصیت سے اسے اہمیت دی گئی ہے کہ تعلیم مکمل طریق پر آزاد رہے جو اجتماعیت کی روح ہے پھر اس کے ساتھ اصولاً معاملات دارالعلوم کو مشورہ کے اصول پر قائم فرما کر اس کو اس عہد استبداد میں جمہوریت نقیب بنا دیا گیا اور خاص طور پر ذمہ دار ادارہ (مہتمم) کے لئے یہ ہدایت فرمائی کہ وہ علاوہ مقررہ اہل شوریٰ کے ہے واردین صادرین سے بھی مشورہ کرے جو مدارس کے خیر خواہ اور ان سے دلچسپی رکھتے ہوں۔ یہ اصول حضرت لانا محمد قاسم صاحبؒ بانی دارالعلوم کے ہمہ گیر اور اجتماعی فکر کے ناقابل انکار شواہد ہیں اور انہی سے دارالعلوم دیند کی نوعیت، اہمیت بھی واشگاف ہو جاتی ہے۔ انگریزوں کے قومی استبداد کو توڑنے کے لئے جس کا رخ صوصیت سے مسلمانوں کی طرف تھا۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے اپنی ہمہ گیر سیاسی رہنمائی سے اس ر کی خلافت، اسلامیہ یعنی خلافت ترکی کی تائید کی طرف مسلمانوں کو خاص طور پر جھکایا۔ سلطان ترکی کی مدح میں یدے لکھے اور بحیثیت خلیفۃ المسلمین اور خادم الحرمین ہونے کے مسلمانوں کو ان کی طرف مائل کرتے رہے ، دور میں جنگ روم و روس ہوئی تو خود بہ نفس نفیس جگہ جگہ دورے کر کے ترکوں کے لئے ہزاروں روپیہ روانہ

فرمایا اور خود اپنے گھر بار کا تقریباً بڑا سامان بطور چندہ ترکی خلافت کے لئے روانہ فرما دیا تاکہ خلافت سے وابستہ رہ کر ملّی اجتماعیت برقرار اور شیرازہ بند رہے۔ اس جذبہ سے ملک کی دوسری قوموں کو بھی ہمدردی تھی اور اسی کا اثر تھا کہ جب مسلمانانِ ہند نے احیاءِ خلافت کی تحریک شروع کی تو بلاتفریق مذہب وملّت ملک کی تمام مذہبی اکائیاں متفق و متحد ہو کر اس میں برابر کی شریک رہیں اس اجتماعیت پسندی کی وجہ سے مولانا مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ حج کی ترغیب دیتے تھے۔ کہ بذاتِ خود حج ایک اجتماعی اور بین الاقوامی عبادت ہے تاکہ مشرق و مغرب کے مسلمان یک جا جمع ہو کر باہم وابستہ ہوں اور ان کی بین الاقوامی اجتماعیت کا رشتہ مضبوط ہو اور ساتھ ہی ترکی خلافت سے بھی انہیں وابستگی رہے۔ یہ تفصیل فکر قاسمی کے ان تین بنیادی عناصر کو واشگاف کر دینے کے لئے کافی ہے۔ کہ ملّت کا بقا وارتقا تعلیم کی ہمہ گیری، ذوق اجتماعیت کے عموم اور مرکزیت سے باعظمت وابستگی رہی میں مضمر ہے۔ آخر کار یہی روح ان کے تدبیت یافتوں میں بھی راسخ ہوئی۔ اور ان کے بعد ان کے شاگرد رشید حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ اس قاسمی فکر کے امین بنے اور ان کے بعد حضرت کے خلف الرشید حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ اس کے علمی امین بنے۔

ہندوستان کو آزاد کرانے کے لئے حضرت شیخ الہندؒ نے ریشمی خطوط کی تحریک اٹھائی اور پانچ برس مالٹا میں انگریز کی قید وبند کی صعوبتیں جھیلیں۔ ان کے بعد ان کے ہزارہا شاگردوں میں بھی رنگ جوہر نفس ہوتا رہا۔ جن میں خصوصیت سے قابلِ ذکر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا کفایت اللہ دہلویؒ۔ حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ۔ حضرت مولانا محمد میاں عرف مولانا منصور انصاریؒ وغیرہم تھے۔ جنہوں نے بالآخر ہندوستان کو آزاد کرایا اور انجام کار ان بزرگوں کا وہ وحدتِ عالم اسلام کا خواب اب تعبیر کے قریب ہوتا جارہا ہے۔ آخر عمر میں آپ نے بطور خاص اس تمنا کا اظہار فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں یورپ پہنچ کر بتاؤں کہ حکمت وہ نہیں ہے جسے تم غلط فہمی سے حکمت سمجھ رہے ہو۔ بلکہ حکمت وہ ہے جس سے دنیا و عقبیٰ دونوں کے انکشافات تم پر عیاں ہو سکتے ہیں۔

مباحثہ شاہجہاں پور کا واقعہ وہ تاریخی موڑ ہے کہ اس میں حضرت نے ہندو مسلمان کے درمیان پھوٹ ڈالنے کی انگریزی سیاست کا رخ انگریزوں کی طرف موڑ دیا جس کا اعتراف اس دور کے ہندو زعما نے یہ کہہ کر کیا کہ یہ مولوی ہے جس نے ہندوستان کی لاج رکھ لی۔ یہ روشن حقائق اس عظیم حقیقت کو طشت از بام کرنے کے لئے کافی ہیں کہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی شخصیت ایک عالمی اور تاریخ ساز شخصیت تھی اور ان کے شیخ و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کا یہ قول کہ "کئی صدی کے بعد اللہ نے مولانا محمد قاسم صاحبؒ جیسی شخصیت پیدا فرمائی ہے" ان کی عظمت و اہمیت کے باب میں بلاخوفِ تردید حرف آخر قرار دیا جا سکتا ہے۔ +